

فکر و نظر..... اسلام آباد جلد: ۴۳ شمارہ: ۴

مقاصدِ شریعت کی پہچان اور تطبیق میں عقل اور فطرت کا حصہ

محمد نجات اللہ صدیقی*

اس مقالہ میں اس بات پر غور کیا جائے گا کہ شریعت اسلامی کے مقاصد کو جاننے اور عملی زندگی میں ان کی تحصیل عمل میں لانے میں ہماری عقل اور ہماری فطرت کا کردار کیا ہے۔ یہ واضح کیا جائے گا کہ قرآن و سنت میں ہماری رہنمائی کے لیے عقل و فطرت کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ عقل و فطرت کا بھرپور استعمال ہی اسوۂ نبویؐ اور سیرت خلفاء راشدینؓ کا سبق ہے۔

جیسا کہ ہمارے دو سابقہ مقالات^(۱) کا مطالعہ کرنے والوں کو یاد ہو گا، ہم ایک ایسے طریقہ بحث [methodology] کی تلاش میں ہیں جس سے کسی مخصوص صورت حال میں مقاصدِ شریعت کی رہنمائی میں حکم شرعی تک پہنچا جاسکے۔ عقل و فطرت کے کردار کی تحقیق اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

فطرت کیا ہے، عقل کس ملکہ کا نام ہے، دونوں میں کیا فرق ہے، کیا ربط ہے۔ دونوں آزادانہ کام کرتے ہیں یا مل کر ہماری رہنمائی کرتے ہیں، یہ بڑے بنیادی سوالات ہیں جن کے جواب فلاسفہ اور متکلمین نے دینے کی کوشش کی ہے۔ یہاں ہم یہ دیکھیں گے کہ قرآن کریم کی روشنی میں کیا صورت پیش آتی ہے۔

فطرت کا تصور عقل کے تصور سے زیادہ جامع ہے۔ عقل فطرت کا ایک حصہ ہے، ایک ملکہ جو فطرت کے ساتھ وابستہ ہے۔ عقل کا کام سمجھنا ہے۔ اس کام میں سارے حواس دیکھنا، سننا، چھونا، چکھنا، سونگھنا سبھی رُوبہ عمل ہوتے ہیں۔ سوچنا، غور و فکر، تدبیر، عقل کے استعمال کے معروف طریقے ہیں۔ سیروساحت، تجربہ، تبادلہ خیالات اس میں مددگار ہوتے ہیں۔ ہم کہہ سکتے ہیں فطرت اس شفاف کیفیت کا نام ہے جو بیرونی اثرات کے بغیر بے لاگ بنیادی صلاحیتوں کا مجموعہ ہوتی ہے۔ اچھائی اور سچائی کی پہچان اور برائی اور جھوٹ سے ان کو الگ کر سکتا انسان کی بناوٹ کا جزء ہے۔ قرآن کریم کی آیات میں اس طرف اشارے ملتے ہیں۔

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ لَآبِیْہٖ وَ قَوْمَہٗ اِنِّیْٓ اَبْرَءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ۔ اِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ فَاِنَّہٗ سِیْہِدُنِیْ۔^(۲)

☆ وزیٹنگ پروفیسر، اسلامک ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ، اسلامی ترقیاتی بینک، پوسٹ بکس ۹۲۰۱، جدہ، سعودی عرب۔

یاد کرو وہ وقت جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا تھا کہ تم جن کی بندگی کرتے ہو میرا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ میرا تعلق صرف اس سے ہے جس نے مجھے پیدا کیا، وہی میری رہنمائی کرے گا۔

فاقم وجهک للدين حنیفاً، فطرت اللہ الّتی فطر الناس علیہا، لا تبدیل لخلق اللہ، ذالک الدین القیم، ولكنّ اکثر الناس لا یعلمون۔^(۳)

پس یکسو ہو کر اپنا رخ اس دین کی طرف جما دو، قائم ہو جاؤ اس فطرت پر جس پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی بنائی ہوئی ساخت بدلی نہیں جا سکتی۔ یہی بالکل راست اور درست دین ہے۔ مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔

دونوں آیتوں میں انسانی بناوٹ اور صانع کے درمیان حقیقی رابطے کا ذکر ہے۔ اسی امر کی تاکید دوسری آیات میں بھی ملتی ہے:

و نفس و ما سوّھا، فالھمھا فجورھا و تقوھا۔^(۴)
نفس انسانی کی اور اس ذات کی قسم جس نے اسے ہموار کیا، پھر اس کی بدی اور اس کی پرہیزگاری اس پر الہام کر دی۔

فطرت میں جڑی ہونے کی وجہ سے سچائی اور اچھائی انسانوں کے درمیان جانی پہچانی چیزیں بن جاتی ہیں۔ اسی معروف کو ہدایت الہی کی بنیاد بنایا گیا ہے:

خذ العفو و أمر بالعرف و اعرض عن الجھلین۔^(۵)
نرمی اور درگزر کا طریقہ اختیار کرو، معروف کی تلقین کیے جاؤ اور جاہلوں سے نہ الجھو۔
کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تأمرون بالمعروف و تنھون عن المنکر و تؤمنون باللہ۔^(۶)
اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے، تم معروف کا حکم دیتے ہو، منکر سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو.....

سچائی اور اچھائی کو جاننے اور پہچاننے میں عقل کی بڑی اہمیت ہے۔ عقل خود شناسی اور خدا شناسی دونوں کے لیے ضروری ہے۔ انسانوں میں کسی بات کے مقبول یا ناقابل قبول ہونے کا علم بھی عقل ہی کے ذریعہ مل سکتا ہے۔ اللہ کی ہدایت جب نبی اور رسول کے ذریعہ آتی ہے تو اس سے استفادہ کے لیے بھی عقل ناگزیر ہے۔ قرآن کریم میں عقل، فکر، نظر، سمع، بصر، تفکر، تدبّر، تفقہ، وغیرہ الفاظ اسی سیاق میں آئے ہیں۔ سورہ روم کی ۸ سے ۴۲ آیات میں ان میں سے کئی الفاظ آئے ہیں۔

سچائی اور اچھائی خوبصورتی اور انصاف یا حق، خیر، جمال اور عدل وہ بنیادی قدریں ہیں جن کے گرد سارے مقاصد گھومتے ہیں۔ یہ حقیقت ہمیں استقراء سے معلوم ہوئی ہے۔ جیسا کہ ہم نے اوپر دیکھا، سچائی اور اچھائی کی پہچان فطرت میں ودیعت ہے۔ یہی حال خوبصورتی یا جمال کا بھی ہے۔ البتہ عدل کا معاملہ کچھ مختلف ہے۔ عدل کا تعلق انفرادی سے زیادہ اجتماعی زندگی سے ہے۔ اس کی پہچان میں عقل کا کردار زیادہ نمایاں ہے اور اس پہچان کی تکمیل اللہ کی ہدایت سے ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسولوں کے بھیجنے کا مقصد عدل سے جوڑا گیا ہے۔

لقد ارسلنا رسلنا بالبینت و انزلنا معهم الکتاب و المیزان ليقوم الناس بالقسط۔^(۷)

ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیوں اور ہدایات کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں.....

بدلتے ہوئے حالات میں مختلف انسانی افراد اور گروہوں کے درمیان اس امر پر اتفاق رائے کم دیکھا گیا ہے کہ عدل کیا ہے۔ حسن و جمال یا خوبصورتی ایک موضوعی [subjective] امر ہے، پھر بھی فطرت سے راست تعلق کی بنا پر کسی چیز کے خوبصورت ہونے کے بارے میں اتفاق ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اچھائی کے بارے میں بھی فطرت سے اس کے تعلق کی بنا پر اتفاق وارد ہے۔ سچائی ایک معروضی [objective] امر ہے۔ اگر زیر بحث معاملہ کا تعلق امور غیب سے نہ ہو تو اتفاق آسان ہے۔ مگر عدل کے تصور سے مفادات وابستہ ہوں گے۔ فطرت فیصلہ نہیں کرا سکتی۔ عقل بیشک رہنمائی کرتی ہے مگر تجربہ اور تاریخ گواہ ہیں کہ اختلافات ختم نہیں ہوتے۔ الہی ہدایت عدل کی طرف رہنمائی بھی کرتی ہے اور اختلاف کی صورت میں فیصلہ کا طریقہ بھی بتاتی ہے۔ ہمارا موضوع، مقاصد شریعت کی روشنی میں حکم شرعی کی دریافت، بہت وسیع ہے۔ زندگی کے تمام پہلو اس کے دائرے میں آتے ہیں۔ مگر دور جدید کے مباحث کا تعلق زیادہ تر عدل اور امن کے قیام سے ہے اس لیے آئندہ مباحث زیادہ تر انہی پر مرکوز ہوں گے۔ چوں کہ خود عدل کا سچائی اور اچھائی اور خوبصورتی سے گہرا تعلق ہے اس لیے یہ قدریں بھی ہمارے سامنے رہیں گی۔

قیام عدل

قرآن کریم میں عدل کے تصور پر تجریدی بیانات کی بجائے عملاً پیش آنے والے حالات اور سماجی، سیاسی اور اقتصادی رشتوں کے سیاق میں بات کی گئی ہے۔ یہ بات کبھی خاندان کے اندر عادلانہ تعلقات برقرار رکھنے کے بارے میں ہوتی ہے تو کبھی اس کی نظر پوری قوم یا بین الاقوامی

دائرے پر ہوتی ہے۔ ذیل میں ہم بعض آیات کا مطالعہ کریں گے اور یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ ان کے فہم و تطبیق میں عقل و فطرت کا کیا کردار ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ، يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ. (۸)

اللہ عدل اور احسان اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے اور بدی و بے حیائی اور ظلم و زیادتی سے منع کرتا ہے۔ وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم سبق لو۔

وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ، وَ أَوفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ، لَا تَكْلَفْ نَفْسًا وَلَا وَسْعَهَا، وَ إِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ، وَ بَعْدَ اللَّهِ أَوْفَا، ذَلِكَمُ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ. (۹)

اور یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر ایسے طریقے سے جو بہترین ہو، یہاں تک کہ وہ اپنے سن رشد تک پہنچ جائے اور ناپ تول میں پورا انصاف کرو۔ ہم ہر شخص پر ذمہ داری کا اتنا ہی بار رکھتے ہیں جتنا اس کے امکان میں ہے اور جب بات کہو انصاف کی کہو خواہ معاملہ اپنے رشتہ دار کا کیوں نہ ہو اور اللہ کے عہد کو پورا کرو۔ ان باتوں کی ہدایت اللہ نے تمہیں کی ہے، شاید کہ تم نصیحت قبول کرو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوِّمِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ، وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا، اْعْدِلُوا، هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ، إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ. (۱۰)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو، یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو، جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔

ان آیات میں دوسری اہم ہدایات کے علاوہ خاندان اور رشتہ داروں کے حلقہ میں بڑے گروہ اور قوم کے دائرے میں اور آخری آیت میں بین الاقوامی تعلقات میں عدل و انصاف سے کام لینے کی تاکید کی گئی ہے۔ اقرباء کی امداد، زور، زیادتی سے اجتناب، یتیم کے مال کو امانت جاننا، ناپ تول میں بے ایمانی نہ کرنا، بولنا تو سچ بولنا، گواہی بے لاگ دینا خواہ اس کی زد کسی پر پڑے..... یہ سب اصل قدر یعنی عدل کی مثالیں ہیں۔ کسی عملی صورت حال میں ان کی تطبیق تو متعلق فرد ہی کر سکے گا۔ مثال کے طور پر سورہ نساء کی آیت ۵۸ میں جو بات کہی گئی ہے اس کے عملی تقاضے کسی متعین صورت حال

میں انسان کو خود متعین کرنے پڑیں گے:

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَوَدُّوا الْأَمْنَتَ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حُكِمَ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ.
اللَّهُ تَمَّ كَوَحْمَ دِيْتَا هَے كَه امانتیں اهل امانت كے سپرد كرو اور جب لوگوں كے درمیان فیصلہ
كرو تو عدل كے ساتھ كرو.....

سورہ نساء آیت ۱۳۵ میں بھی عدل و قسط کی بات کی گئی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ، شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبِينَ، أَنْ يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا، فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَنْ تَعْدِلُوا.....
اے ایمان لانے والو انصاف كے علم بردار اور خدا واسطے كے گواہ بنو اگرچہ تمہارے
انصاف اور تمہاری گواہی كی زد تمہاری اپنی ذات پر یا تمہارے والدین یا رشتہ داروں پر
ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔ فریق معاملہ خواہ مالدار ہو یا غریب، اللہ تم سے زیادہ ان كا خیر خواہ
ہے۔ لہذا اپنی خواہش نفس كی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو.....

سورہ بقرہ کی آیت ۲۸۲-۲۸۳ میں ادھار لین دین میں عدل و قسط كے تقاضے پورا كرنے كی جو
شكل تجویز كی گئی ہے اس كے مطالعہ سے صاف ظاہر ہے كہ دوسرے زمانے اور دوسرے حالات میں
انہی تقاضوں كی تکمیل دوسرے طریقہ سے كی جا سكه گی۔ ان آیات كا ترجمہ درج ذیل ہے:

اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب كسی مقررہ وقت كے لیے تم آپس میں ادھار لین دین
كرو تو اسے لكھ لیا كرو۔ فریقین كے درمیان انصاف كے ساتھ ایک شخص دستاویز تیار
كرے جسے اللہ نے لكھنے پڑھنے كی قابلیت بخشی ہو، اسے لكھنے سے انكار نہ كرنا چاہیے۔ وہ
لكھے اور املا وہ شخص كرائے جس پر حق آتا ہو (یعنی ادھار لینے والا) اور اسے اللہ اپنے
رب سے ڈرنا چاہیے كہ جو معاملہ طے ہوا ہو اس میں كوئی كمی بیشی نہ كرے۔ لیكن اگر
ادھار لینے والا خود نادان یا ضعیف ہو، یا املا نہ كرا سكتا ہو، تو اس كا ولی انصاف كے
ساتھ املا كرائے۔ پھر اپنے مردوں میں سے دو آدمیوں كی اس پر گواہی كرا لو اور اگر دو
مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں تاكه ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلا
دے۔ یہ گواہ ایسے لوگوں میں سے ہونے چاہئیں جن كی گواہی تمہارے درمیان مقبول ہو۔
گواہوں كو جب گواہی دینے كے لیے کہا جائے تو انھیں انكار نہ كرنا چاہیے۔ معاملہ خواہ
چھوٹا ہو یا بڑا، میعاد كی تعیین كے ساتھ اس كی دستاویز لكھوا لینے میں تساہل نہ كرو۔ اللہ
كے نزدیک یہ طریقہ تمہارے لیے زیادہ مبنی بر انصاف ہے، اس سے شہادت قائم ہونے

میں زیادہ سہولت ہوتی ہے اور تمھارے شکوک و شبہات میں مبتلا ہونے کا امکان کم رہ جاتا ہے.....

عدل و قسط کا حوالہ خاندانی زندگی میں میاں بیوی کے تعلقات کے ضمن میں بھی آیا ہے۔ سورہ نساء آیت ۱۲۷ سے ۱۳۰ تک نیز سورہ حجرات آیت ۹ اور ۱۰ میں دو مسلمان گروہوں کے درمیان جھگڑے کی صورت میں عدل پر زور دیا گیا ہے۔ اللہ چاہتا ہے کہ ہم ہر حال میں عدل پر قائم رہیں۔ خاندان میں رشتہ داروں سے واسطہ ہو یا اپنے ہی گروہ میں ہم قوموں سے معاملے کرنا ہو، یا عام انسانوں سے سابقہ پیش آجائے۔ ہر حال میں انصاف کا دامن مضبوط تھامے رہنا چاہیے۔ عادلانہ معاملت سچائی پر مبنی ہوتی ہے، اس کا نتیجہ اچھا نکلتا ہے۔ اس میں ذاتی مفاد کی خاطر دوسروں کی حق تلفی نہیں کی جاتی۔ قرآن کے نزدیک اصل اہمیت اس کی ہے کہ ہم عدل کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں اور اس ارادہ میں مخلص ہوں۔ اس کا زور انسانوں میں عدل کرنے کا عزم [commitment] پیدا کرنے پر ہے۔ رہی یہ بات کہ مختلف حالات میں عدل کے تقاضے پورا کرنے کی تفصیلی شکلیں کیا ہوں گی تو وہ اس کے سلسلہ میں مخلص لوگوں کی سمجھ بوجھ پر بھروسہ کرتا ہے۔ البتہ اگر مسئلہ اجتماعی ہو تو وہ ضروری قرار دیتا ہے کہ فیصلہ باہم مشورے سے کیا جائے۔

ازالہ ظلم

قیام عدل کے لیے ضروری ہے کہ ظلم دور کیا جائے۔ ظلم عدل کا متضاد ہے، ظلم کی تعریف ہے: وضع الشيء في غير محله کسی چیز کا بیجا استعمال، اس کا بے موقع دخل دینا۔ قرآن کریم میں ظلم کی بڑی مذمت کی گئی ہے اور اس سے دور رہنے کی تاکید کی گئی ہے۔ ظلم کی تمام شکلوں کا احاطہ ممکن نہیں مگر درج ذیل آیات کے مطالعہ سے ہمیں مدد ملے گی۔ جیسا کہ آپ دیکھیں گے، ان آیات میں اکثر اوقات ظلم کی پہچان فطرت اور عقل کی بنیاد پر کی گئی ہے۔ چنانچہ ذیل کی آیت میں عقل و فطرت کی آواز حضرت داؤد علیہ السلام کی زبانی صاف سنائی دیتی ہے:

و هل أتک نبؤا الخصم إذ تسوّروا المحراب، اذ دخلوا علی داود ففرع منهم. قالوا لاتخف، خصمن بغی بعضنا علی بعض فاحکم بیننا بالحق ولا تشطط واهدنا الی سوا الصراط. ان هذا اخي له تسع وتسعون نعجة و لی نعجة واحدة فقال اکفلنیها و عزنی فی الخطاب. قال لقد ظلمک بسؤال نعجتک الی نعاجه. و ان کثیراً من الخلطاء لیغی بعضهم علی بعض الا الذین امنوا و عملوا الصلحت و قلیل ما هم. و ظن داود

اَنَّمَا فَتْنَةٌ فَاَسْتَغْفِرُ رَبِّيْهِ وَ خَرَّ رَاكِعًا وَاَنَابَ. (۱۱)

پھر تمہیں کچھ خبر پہنچی ہے ان مقدمے والوں کی جو دیوار چڑھ کر اس کے بالا خانے میں گھس آئے تھے؟ جب وہ داؤد کے پاس پہنچے تو وہ انہیں دیکھ کر گھبرا گیا۔ انہوں نے کہا ڈریے نہیں ہم دو فریق مقدمہ ہیں جن میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے۔ آپ ہمارے درمیان ٹھیک ٹھیک حق کے ساتھ فیصلہ کر دیجیے، بے انصافی نہ کیجئے اور ہمیں راہ راست بتائیے۔ یہ میرا بھائی ہے اس کے پاس ثنائیوںے دنیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک دہی ہے۔ اس نے مجھ سے کہا یہ ایک دہی بھی میرے حوالے کر دے اور اس نے گفتگو میں مجھے دبا لیا۔ داؤد نے کہا: اس شخص نے اپنی دہیوں کے ساتھ تیری دہی ملا لینے کا مطالبہ کر کے یقیناً تجھ پر ظلم کیا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ مل جل کر ساتھ رہنے والے لوگ اکثر ایک دوسرے پر زیادتیاں کرتے رہتے ہیں۔ بس وہی لوگ اس سے بچے ہوئے ہیں جو ایمان رکھتے اور عمل صالح کرتے ہیں اور ایسے لوگ کم ہی ہیں۔ (یہ بات کہتے کہتے) داؤد سمجھ گیا یہ تو ہم نے دراصل اس کی آزمائش کی ہے۔ چنانچہ اس نے اپنے رب سے معافی مانگی اور سجدے میں گر گیا اور رجوع کر لیا۔

ظلم کی ایک کھلی قسم دوسرے کا مال ہڑپ کرنا ہے خواہ ایسا کرنے کا موقع با اقتدار ہونے کی وجہ سے ملے یا لین دین میں فریق ثانی کی کمزوری کی وجہ سے ملے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَّكْلُوْنَ اَمْوَالِ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اَنَّمَا يَّكْلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَّ سَيَصْلُوْنَ سَعِيْرًا. (۱۲)

جو لوگ ظلم کے ساتھ یتیموں کا مال کھاتے ہیں دراصل وہ اپنے پیٹ آگ سے بھرتے ہیں اور وہ ضرور جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونکے جائیں گے۔

يَآٰيَهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا. وَّمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ عَدُوًّا وَّ ظُلْمًا فَسَوْفَ نَصْلِيْهِ نَارًا وَّ كَانَ ذٰلِكَ عَلٰى اللّٰهِ يَسِيْرًا. (۱۳)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقہ سے نہ کھاؤ۔ لین دین ہونا چاہیے آپس کی رضامندی سے اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو، یقین مانو کہ اللہ تمہارے اوپر مہربان ہے۔ جو شخص ظلم و زیادتی کے ساتھ ایسا کرے گا اس کو ہم ضرور آگ میں جھونکیں گے اور یہ اللہ کے لیے کوئی مشکل کام نہیں ہے۔

قرض دی جانے والی رقم پر سود لینا، لین دین میں اپنی پوزیشن سے بیجا فائدہ اٹھانا ہے۔ اسے ظلم قرار دیا گیا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُمْ مُؤْمِنِينَ. فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ، وَإِن تُبْتِغُوا فَلَکُمْ رءُوسُ أَمْوَالِکُمْ لَا تُظْلَمُونَ وَلَا تَظْلَمُونَ. (۱۴)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو خدا سے ڈرو اور جو کچھ تمہارا سود لوگوں پر باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر واقعی تم ایمان لائے ہو۔ لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمہارے خلاف اعلان جنگ ہے۔ اب بھی توبہ کر لو (اور سود چھوڑ دو) تو اپنا اصل سرمایہ لینے کے تم حق دار ہو۔ نہ تم ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے۔

انسانی تعلقات میں ظلم وزیادتی کی ایک بڑی مثال لوگوں کو آزادیِ ضمیر، آزادیِ نقل و حرکت اور دوسری بنیادی آزادیوں سے محروم کرنا ہے۔ یہ روک ٹوک آگے چل کر جان و مال پر دست درازی اور فوج کشی کی شکل اختیار کر لیتی ہے جو ظلم کی ایسی تباہ کن شکل ہے جس کی روک تھام ضروری ہے۔ اس دفاعی جنگ سے عام انسانوں کے بنیادی حقوق کی بحالی وابستہ ہے۔ ایسی دفاعی جنگ کے ذریعہ کمزور اور دبا کر رکھے ہوئے لوگوں کا عز و شرف بحال کرنا اور انھیں ظلم سے نجات دلانا ضروری ہے:

وَمَنَ ظَلَمَ مَظْمَنَ مَسْجِدَ اللَّهِ أَن يَذْکُرَ فِيهَا اسْمُهُ، وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَا. أُولَٰئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَن يَدْخُلُوهَا إِلَّا خَائِفِينَ. لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ. (۱۵)

اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ کے معبودوں میں اس کی یاد سے روکے اور ان کی ویرانی کے درپے ہو۔ ایسے لوگ اس قابل ہیں کی ان عبادت گاہوں میں قدم نہ رکھیں اور اگر وہاں جائیں بھی تو ڈرتے ہوئے جائیں۔ ان کے لیے تو دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں عذابِ عظیم۔

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقْتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظَلَمُوا، وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ. الَّذِينَ أَخْرَجُوا مِن دِيَارِهِمْ بَغِيرِ حَقِّ آلَا أَن يَقُولُوا رَبَّنَا اللَّهُ. وَلَوْ لَا دَفَعَ اللَّهُ النَّاسَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ لَّهَدَمَتِ صَوَامِعُ وَبِيعٌ وَصُلُوكٌ وَمَسْجِدُ يَذْکُرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا، وَلِيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنْصُرُهُ، إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ. (۱۶)

اجازت دے دی گئی ان لوگوں کو جن کے خلاف جنگ کی جا رہی ہے کیوں کہ وہ مظلوم

ہیں اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکال دیئے گئے صرف اس قصور پر کہ وہ کہتے تھے: ہمارا رب اللہ ہے۔ اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعہ دفع نہ کرتا رہے تو خائفیں اور گر جا گھر اور معبد اور مسجدیں، جن میں اللہ کا کثرت سے نام لیا جاتا ہے، سب مسمار کر دی جائیں۔ اللہ ضرور ان لوگوں کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کریں گے۔ اللہ بڑا طاقتور اور زبردست ہے۔

وما لکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ والمستضعفین من الرجال والنساء والولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من هذه القرية الظالم اهلها واجعل لنا من لدنک ولیاً، واجعل لنا من لدنک نصیراً۔ [النساء: ۷۵]

آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں ان بے بس مردوں اور عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو کمزور پا کر دبا لیے گئے ہیں اور فریاد کر رہے ہیں کہ خدایا ہم کو اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی حامی و مددگار پیدا کر دے۔

انسان اپنے اوپر بھی ظلم کر سکتا ہے۔ سب سے بڑا ظلم یہ ہے کہ اللہ کا کسی کو شریک ٹھہرایا جائے۔ یہ بے عقلی کہ بات ہے، انسان اپنی روزمرہ کی زندگی میں بھی ایسا نہیں کرتا کہ کسی بے اثر و بے اختیار کو اپنے سر چڑھا لے۔

ضرب لکم مثلاً من انفسکم، هل لکم من مّا ملکتم ایمانکم من شرکاء فی مآرزکم فانتم فیہ سوآء تخافونہم کخیفتم انفسکم، کذلک نفصل الایة لقوم یعقلون۔ بل اتبع الذین ظلموا اھواءہم بغیر علم، فمن یھدی من اضل اللہ و ما لہم من نصیرین۔ (۱۷)

وہ تمہیں خود تمہاری اپنی ہی ذات سے ایک مثال دیتا ہے۔ کیا تمہارے ان غلاموں میں سے جو تمہاری ملکیت میں سے ہیں کچھ غلام ایسے بھی ہیں جو تمہارے دیے ہوئے مال و دولت میں تمہارے ساتھ برابر کے شریک ہوں اور تم ان سے اس طرح ڈرتے ہو جس طرح آپس میں اپنے ہمسروں سے ڈرتے ہو؟..... اس طرح ہم آیات کھول کر پیش کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔ مگر یہ ظالم بے سمجھے بوجھے اپنے تخیلات کے پیچھے چل پڑے ہیں، اب کون اس شخص کو راستہ دکھا سکتا ہے جسے اللہ نے بھٹکا دیا ہو۔ ایسے لوگوں کا تو کوئی مددگار نہیں ہو سکتا۔

وہ لوگ زیادہ برے ہیں جو بار بار سمجھانے کے باوجود یہ بات نہ سمجھ سکیں:

ومن اظلم ممن ذكر بآيت ربّه فاعرض عنها و نسي ما قدّمت يداه. انا جعلنا على قلوبهم اكنةً ان يفقهوه و في اذانهم وقرآءً و ان تدعهم الى الهدى فلن يهتدوا اذا ابداً. (۱۸)

اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم اور کون ہے جسے اس کے رب کی آیات سنا کر ہدایت کی جائے اور وہ اس سے منہ پھیرے اور اس برے انجام کو بھول جائے جس کا سرو سامان اس نے اپنے لیے خود اپنے ہاتھوں کیا ہے۔ (جن لوگوں نے یہ روش اختیار کی ہے) ان کے دلوں پر ہم نے غلاف چڑھا دیئے ہیں جو انھیں قرآن کی بات نہیں سمجھنے دیتے، اور ان کے کانوں میں ہم نے گرانی پیدا کر دی ہے۔ تم انھیں ہدایت کی طرف کتنا ہی بلاؤ، وہ اس حالت میں کبھی ہدایت نہ پائیں گے۔

قرآن بتاتا ہے کہ یہ ظلم عقل نہ استعمال کرنے کا نتیجہ ہے:

ولا تدع من دون الله ما لا ينفعك ولا يضرك فان فعلت فانك اذا من الظالمين. (۱۹)

اور اللہ کو چھوڑ کر کسی ایسی ہستی کو نہ پکار جو تجھے نہ فائدہ پہنچا سکتی ہے نہ نقصان۔ اگر تو ایسا کرے گا تو ظالموں میں سے ہو گا۔

اپنی عقل نہ استعمال کر کے شرک میں مبتلا ہونے والوں سے زیادہ ظلم کے مرتکب وہ لوگ ہیں جو دوسروں کو بھی اسی راہ پر چلانے لگیں۔ سورۃ انعام کی آیت ۱۴۴ میں ایسے ہی لوگوں کا ذکر ہے۔ خاص طور پر نوٹ کرنے کی بات یہ ہے کہ قرآن ایسے لوگوں کو بے نقاب کرنے اور سادہ لوح عوام کو ان کی گمراہ کن قیادت سے نکالنے کے لیے عقل عامہ پر مبنی سوالات سے کام لیتا ہے۔ آیت کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

پھر وہی ہے جس نے مویشیوں میں سے وہ جانور بھی پیدا کیے ہیں جن سے سواری اور بار برداری کا کام لیا جاتا ہے اور وہ بھی جو کھانے اور بچھانے کے کام آتے ہیں۔ کھاؤ ان چیزوں میں سے جو اللہ نے تمھیں بخشی ہیں اور شیطان کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمھارا کھلا دشمن ہے۔ یہ آٹھ زرمادہ ہیں۔ دو بھیڑ کی قسم سے اور دو بکری کی قسم سے۔ اے محمدؐ ان سے پوچھو کہ اللہ نے ان کے زرمادہ کیسے ہیں یا مادہ یا وہ بچے جو بھیڑوں اور بکریوں کے پیٹ میں ہوں۔ ٹھیک ٹھیک علم کے ساتھ مجھے بتاؤ اگر تم سچے ہو اور اسی طرح دو اونٹ کی قسم سے ہیں اور دو گائے کی قسم سے۔ پوچھو ان کے زرمادہ کیسے ہیں یا مادہ، یا وہ بچے جو اونٹنی اور گائے کے پیٹ میں ہوں۔ کیا تم اس وقت حاضر تھے جب اللہ نے ان کے زرمادہ ہونے کا حکم دیا تھا؟ پھر اس شخص سے بڑھ کر ظالم اور

کون ہوگا جو اللہ کی طرف منسوب کر کے جھوٹی بات کہے تاکہ علم کے بغیر لوگوں کی غلط رہنمائی کرے۔
یقیناً اللہ ایسے ظالموں کو راہ راست نہیں دکھاتا۔

سورہ انعام آیت ۲۱ میں بھی ایسے مرتکبین ظلم کا ذکر آچکا ہے۔ ایسے لوگ تاریخی حقائق کو توڑ
موڑ کر اپنی روش کا جواز فراہم کرنے اور دوسروں کو حق کی پیروی سے روکنے کی کوشش کر کے مزید ظلم
کے مرتکب ہوتے ہیں:

أَمْ تَقُولُونَ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ كَانُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ. قُلْ
ءَ أَنْتُمْ أَعْلَمُ أَمِ اللَّهُ. وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهُ مِنَ اللَّهِ. وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا
تَعْمَلُونَ. (۲۰)

پھر کیا تمہارا یہ کہنا ہے کہ ابراہیم، اسماعیل، اسحاق اور یعقوب اور اولاد یعقوب سب کے
سب یہودی یا نصرانی تھے؟ کہو: تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟ اس شخص سے بڑا ظالم اور کون
ہوگا جس کے ذمے اللہ کی طرف سے ایک گواہی ہو اور وہ اسے چھپائے۔ تمہاری حرکات
سے اللہ غافل تو نہیں ہے۔

ازالہ فساد اور قیام امن و صلاح

مقاصد شریعت کی فہرست میں زمین سے فساد دور کر کے امن قائم کرنے اور اصلاح کا اہتمام
کرنے کو بہت اونچا مقام حاصل ہے۔ قرآن کریم کی متعدد آیات میں مثالوں کے ذریعہ زمین میں
فساد کا مطلب بتایا گیا ہے۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس سلسلہ کو روکنا کیوں ضروری ہے اور امن قائم
کرنے کے لیے ہمیں کیا کرنا ہوگا۔ قرآن کریم کی ان آیات کے مطالعہ سے ان دونوں کاموں، فساد
کو پہچاننے اور اس کے دور کرنے کی تدابیر اختیار کرنے نیز امن و صلاح کا اہتمام کرنے میں عقل
اور فطرت کا اہم رول سامنے آئے گا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَشْهَدُ اللَّهُ عَلَيْهِ مَا فِي قَلْبِهِ وَهُوَ
الِدَّالِّخْصَامِ. وَإِذَا تَوَلَّىٰ سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ، وَاللَّهُ
لَا يُحِبُّ الْفُسَادَ. (۲۱)

انسانوں میں سے کوئی تو ایسا ہے کہ جس کی باتیں دنیا کی زندگی میں تمہیں بہت بھلی
معلوم ہوتی ہیں اور اپنی نیک نیتی پر وہ بار بار خدا کو گواہ ٹھہراتا ہے۔ مگر حقیقت میں وہ
بدترین دشمن حق ہوتا ہے۔ جب اسے اقتدار حاصل ہو جاتا ہے تو زمین میں اس کی

ساری دوڑ دھوپ اس لیے ہوتی ہے کہ فساد پھیلانے، کھیتوں کو غارت کرے اور نسل انسانی کو تباہ کرے۔ حالانکہ اللہ (جسے وہ گواہ بنا رہا تھا) فساد کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔

انسانی زندگی اور زندگی قائم رکھنے کے لئے درکار وسائل کی تباہی فساد ہے۔ غلط کار لوگ برسرِ اقتدار آکر جو فساد برپا کر سکتے ہیں اس کی بے شمار شکلیں ہو سکتی ہیں جن میں سے بعض کا تاریخ مشاہدہ کر چکی ہے۔ ایسا ہی ایک فسادِ فرعون تھا:

انّ فرعون علا فی الارض و جعل اهلها شیعاً یستضعف طائفةً منهم یدّ بح ابناہم ویستحی نساءہم۔ انّہ کان من المفسدین۔ (۲۲)

واقعہ یہ ہے کہ فرعون نے زمین میں سرکشی کی اور اس کے باشندوں کو گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ ان میں سے ایک گروہ کو وہ ذلیل کرتا تھا۔ اس کے لڑکوں کو قتل کرتا تھا اور اس کی لڑکیوں کو جیتا رہنے دیتا تھا۔ فی الواقع وہ مفسد لوگوں میں سے تھا۔

مگر فساد فی الارض کا مرتکب ہونے کے لیے اقتدار میں آنا شرط نہیں۔ عام لوگ بھی اپنے غلط طرزِ عمل سے سماج کو تباہی اور بربادی کی طرف لے جا سکتے ہیں:

ظہر الفساد فی البرّ و البحر بما کسبت یدى الناس لیذیقہم بعض الذی عملوا لعلہم یرجعون۔ (۲۳)

خشکی اور تری میں فساد برپا ہو گیا ہے لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے تاکہ مزا چکھائے ان کو ان کے بعض اعمال کا شاید کہ وہ باز آئیں۔

ہم کو تلقین کی گئی ہے کہ ہم زمین میں فساد مچانے والوں سے دور رہیں، جیسا کہ نبی صالحؑ کی زبانی قرآن میں آیا ہے:

فا تّقوا اللّٰہ و اطیعون۔ ولا تطیعوا امرالمسرفین۔ الذین یفسدون فی الارض ولا یصلحون۔ (۲۴)

اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ ان بے لگام لوگوں کی اطاعت نہ کرو جو زمین میں فساد برپا کرتے ہیں اور کوئی اصلاح نہیں کرتے۔

نبی صالحؑ کی اپنی قوم کو تلقین قرآن کریم نے ان الفاظ میں بھی نقل کیا ہے:

.....فاذکروا اللّٰہ و لا تعثوا فی الارض مفسدین۔ (۲۵)

پس اللہ کی قدرت کے کرشموں سے غافل نہ ہو جاؤ اور زمین میں فساد مچاتے نہ پھرو۔

مذکورہ بالا آیات میں فساد کی بعض شکلوں کا ذکر آیا ہے: جان و مال تباہ کرنا، انسانی گروہوں کے درمیان پھوٹ ڈالنا، کمزوروں پر دست درازی..... دوسری آیات میں فساد کی بعض دوسری شکلوں کا ذکر ہے، مثلاً غیر فطری جنسی تعلقات (عنکبوت: ۳۰-۲۸)، کھلے عام فحاشی (عنکبوت: ۳۰-۲۸)، رشتہ داروں کے حقوق نہ ادا کرنا (محمد: ۲۲)، راہ حق میں ہجرت کرنے والوں کی مدد نہ کرنا (انفال: ۷۱-۷۳) اور دوسروں پر تسلط جمانے اور ان پر حکم چلانے کی کوشش۔ (قصص ۸۳) (۲۶)۔

انسانی سماج میں امن جب قائم ہوگا جب فساد کی تمام شکلوں کا سدباب کیا جائے۔ اس مقام پر آکر قیام عدل اور قیام امن کے تقاضے ایک ہو جاتے ہیں۔ پر امن عادلانہ سماج وہ ہوگا جس میں افراد ہر چیز کو اس کے مناسب مقام پر رکھیں اور برتیں:

.....الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ، أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُهْتَدُونَ. (۲۷)

حقیقت میں تو امن انہی لوگوں کے لیے ہے اور راہ راست پر وہی ہیں جو ایمان لائے اور جنہوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ آلودہ نہیں کیا۔

اسلام کا مقصد ایک عادلانہ پر امن معاشرہ برپا کرنا ہے جس کے لیے وہ ظلم و فساد کو مٹانا چاہتا ہے۔ اس موضوع پر بعض آیات قرآنی کا جو مطالعہ اوپر کیا گیا ہے۔ اس سے واضح ہے کہ اصل اہمیت اس کی ہے کہ افراد انسانی ان مقاصد کے لیے یکسو ہوں اور دل و جان سے ان کے حصول میں لگ جائیں۔ یہ commitment ہو تو تفصیل جاننا دشوار نہ ہو گا۔ کن حالات میں ظلم و فساد کیا ہے جسے مٹانا چاہیے اور عدل و امن کیوں بحال کیا جائے، ان سوالات کے جوابات ہماری عقل و فطرت، محوہ بالا قرآنی اپروچ کی روشنی میں دے سکے گی۔

کارِ نبوت میں عقل و فطرت کا رول

نبی اکرم ﷺ نے عقل و فطرت پر مبنی جو اجتہادات کیے ہیں ان پر ایک وسیع لٹریچر موجود ہے، یہاں اس کی تلخیص ممکن نہیں۔ البتہ یہ بات یاد دلانا ضروری ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا کام صرف یہی نہیں تھا کہ کلام الہی کو انسانوں تک پہنچا دیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کو سمجھنا، سمجھانا، ان پر عمل کرنا اور دوسروں کی ان پر عمل کے سلسلہ میں رہنمائی کرنا بھی کارِ نبوت کا جزء تھا۔ اس وسیع الاطراف کام میں خداداد سمجھ بوجھ اور فطری صلاحیتوں کا بھرپور استعمال ضروری تھا۔ ہمارے دینی ادب میں جو تصانیف، رسول اللہ ﷺ کے عدالتی فیصلوں (۲۸) یا آپ کے ادارتی اور انتظامی اقدامات (۲۹) پر مشتمل ہیں ان میں ایسی مثالیں ملتی ہیں جن کی روشنی میں عام انسان بھی عقل و فطرت کی رہنمائی میں فیصلے

کر سکتے ہیں۔ عقل و فطرت پر مبنی اقدامات نبوی میں جہاں قیام عدل، ازالہ ظلم و فساد اور قیام امن و صلاح جیسے بڑے مقاصد پیش نظر رہے ہیں وہاں روزِ مرہ زندگی کے آداب، اصلاح ذات اور خوشگوار انسانی تعلقات اور امور دین و دنیا کی اعلیٰ معیارِ کارکردگی کے مطابق انجام دہی، وغیرہ بھی سامنے رہے ہیں۔

ذیل میں احادیثِ نبویؐ میں سے بعض مثالیں پیش کی جا رہی ہیں۔ اختصار کی خاطر صرف ترجمانی کی جا رہی ہے، متن حدیث کا مطالعہ دیے ہوئے حوالوں کی مدد سے کیا جاسکتا ہے۔

پیش نظر مقصد کے لیے موزوں طریقہ

جب نبی کریم ﷺ نے قیصرِ روم کو خط بھیجنا چاہا تو مجلس میں موجود ایک صاحب نے کہا کہ جب تک خط پر مہر نہ لگائی جائے وہ لوگ خط نہیں پڑھیں گے۔ چنانچہ چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی گئی جس پر محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔ آئندہ تمام خطوط پر مہر ثبت کی جانے لگی۔^(۳۰)

جمعہ کو جب نبی کریم ﷺ خطبہ کے لیے کھڑے ہوئے تو (پیچھے بیٹھنے والوں کی) آسانی کے لیے کسی نے تجویز کیا کہ منبر بنا لیا جائے۔ یہ تجویز پسند کی گئی، منبر بنا اور منبر سے خطبہ دینے کا طریقہ رائج ہو گیا۔^(۳۱)

جب نمازیوں کی تعداد بڑھی تو ضروری ہوا کہ لوگوں کو اس بات کی خبر دینے کا کوئی طریقہ اختیار کیا جائے کہ نماز (باجاماعت) شروع ہونے جا رہی ہے تاکہ وہ مسجدِ نبویؐ تک پہنچ سکیں۔ مختلف لوگوں نے مختلف طریقے تجویز کیے، بالآخر جو طریقہ پسند کیا گیا وہ آذان دینے کا طریقہ تھا۔^(۳۲)

تینوں مثالوں میں یہ بات مشترک ہے کہ ایک دینی اہمیت والے کام کی مؤثر ادائیگی کے لیے اس وقت کے فنی حالات میں جو طریقہ مشوروں کی روشنی میں موزوں پایا گیا اختیار کیا گیا۔

افزیت اور نقصان سے بچانے کی موزوں تدابیر

نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو کچی پیاز یا لہسن کھا کر نماز کے لیے مسجد آنے سے منع کر دیا تھا، تاکہ کسی کے منہ سے ایسی بو نہ آئے جس سے دوسروں کو تکلیف پہنچے۔^(۳۳)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ (مدینہ میں) زیادہ تر لوگ محنت مزدوری کرنے والے تھے۔ ان کے پاس نوکر نہیں تھے (جو ان کے لیے محنت کرتے) چنانچہ ان کے بدن سے بری مہک آتی تھی۔ ان سے کہا گیا کہ بہتر ہو کہ جمعہ کے دن نہا کر (مسجد) آیا کریں۔^(۳۴)

نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو ہدایت کی کہ رات میں سونے سے پہلے چراغ بجھا دیں، پانی کے مشکیزوں کے منہ باندھ دیں اور کھانے پینے کی چیزوں کو ڈھک دیں نیز دروازے بند کر لیں۔ (۳۵)

اس زمانے میں گھروں میں روشنی کے لیے کپڑے کی بتی بنا کر پیالی میں تیل کے اندر ڈبو دی جاتی تھی اس طرح کہ اس کا ایک سرا باہر رہے۔ اس سرے میں آگ لگانے سے چراغ جلتا تھا۔ بعض روایات میں ارشاد نبویؐ کی مصلحت کا بھی بیان ہے، اندیشہ تھا کہ چوہا بتی لے جا کر کسی ایسی جگہ پہنچا دے کہ گھر میں آگ لگ جائے۔

ایک آدمی کندھے پر تیر رکھے مسجد میں آگیا، تیروں کی نوکیں کھلی ہوئی تھیں نبی کریم ﷺ نے اس آدمی سے کہا کہ لوہے کی نوکوں کو ہاتھ سے ڈھک لے تا کہ وہ کسی کو زخمی نہ کر سکیں۔ (۳۶)

مذکورہ بالا مثالوں میں لوگوں کو تکلیف سے بچانا مقصود ہے جس کے لیے ایسی ہدایات دی گئیں جو عقل عامہ کو اپیل کرتی ہیں۔

انفرادی حالات کی رعایت سے خصوصی تدابیر

جو غیر شادی شدہ افراد شادی نہ کر پائے ہوں ان کو نبی ﷺ نے (نفل) روزے رکھنے کا مشورہ دیا۔ فرمایا: روزے سے جنسی خواہش کا زور کم ہوتا ہے۔ (۳۷)

ظاہر ہے کہ یہ مشورہ فطرت انسانی سے واقفیت اور عقل و تجربہ پر مبنی ہے۔

نبی کریم ﷺ عام طور پر جو دعائیں مانگتے تھے ان میں یہ دعا بھی شامل تھی: بار الہی قرض کے بوجھ سے بچانا۔ یا یہ کہ: خدایا میں تیری پناہ چاہتا ہوں قرض کے بوجھ سے۔ ایک صاحب نے دریافت کیا کہ بار بار اس دعا کی وجہ؟ فرمایا: مقروض آدمی بولتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے اور وعدے کرتا ہے تو نباہ نہیں پاتا۔ (۳۸)

جھوٹ بولنا اور وعدہ خلافی بڑے گناہوں میں سے ہے جن سے بچنا فرض ہے۔ مقروض آدمی قرض دینے والے سے معاملت میں، اکثر مجبوراً، دونوں گناہوں کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ گناہ سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ قرض لینے سے بچے۔ اللہ سے دعا اس لیے کہ ایسی مجبوری نہ پیش آ جائے کہ قرض لیے بغیر چارہ نہ رہے۔ یہ حکمت پارہ بدیہی طور پر مشاہدہ اور فطرت شناسی پر مبنی ہے۔

حکیمانہ مشورے

ذیل میں مزید ارشادات نبویؐ نقل کیے جا رہے ہیں جو فطرت شناسی، عقل عامہ اور سمجھ بوجھ کا نتیجہ معلوم ہوتے ہیں۔ اس کا آغاز ہم آپ کے ایک بہت مختصر مقولہ سے کرتے ہیں، فرمایا: بعض اشعار حکمت سے لبریز ہوتے ہیں۔ (۳۹)

فرمایا: جب تم میں سے کوئی کسی ایسے آدمی کو دیکھے جو مال و دولت اور حسن و جمال میں اس سے بڑھ چڑھ کر ہو تو اسے چاہیے کہ ایسے آدمی کی طرف بھی دیکھے جو (ان باتوں میں) اس سے فروتر ہو، جس سے خود اس کو بہتر بنایا گیا ہو۔ (۴۰)

فرمایا: جب تین آدمی ساتھ ہوں تو دو آدمیوں کو اس طرح باہم سرگوشی نہیں کرنا چاہیے کہ تیسرا کٹ جائے کیوں کہ اس بات سے اسے رنج ہوگا۔ البتہ جب بہت سے لوگوں کے درمیان ہوں تو دو آدمی باہم بات کر سکتے ہیں۔ (۴۱)

فرمایا: تمہیں ایسی بات نہ سکھا دوں جس کے کرنے سے آپس میں محبت بڑھے، ایک دوسرے کو سلام کیا کرو۔ (۴۲)

دونوں ہدایات کا منشاء انسانوں میں خوش گوار تعلقات برقرار رکھنا ہے اور دونوں کا منبع فطرت شناسی اور سوچ بوجھ ہیں۔

فرمایا: تم میں سے کوئی (امام بن کر) لوگوں کو نماز پڑھا رہا ہو تو نماز کو مختصر رکھو کیوں کہ لوگوں کے درمیان بوڑھے، بیمار اور کمزور افراد بھی ہوتے ہیں۔ البتہ جب تم اکیلے نماز پڑھ رہے ہو تو جتنی لمبی (نماز) چاہے پڑھ سکتے ہو۔ (۴۳)

ایک دیہاتی آدمی مسجد (نبوی) میں ایک کنارے کھڑا ہو کر پیشاب کرنے لگا۔ لوگ اس کی طرف (اسے روکنے اور سرزنش کرنے) دوڑے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس کے پیشاب میں خلل نہ ڈالو، پھر آپؐ نے اس جگہ پانی بہا دینے کو کہا۔ (۴۴)

دونوں ارشادات نبویؐ انسانی کمزوریوں کی رعایت ملحوظ رکھنے اور موقع محل کی مناسبت سے نرمی کا طریقہ اختیار کرنے کی تلقین پر مبنی ہیں جیسا کہ دانشمندی کا تقاضا ہے۔

اسلامی تعلیمات کے مطابق آدمی کو اجازت لے کر گھر میں داخل ہونا چاہیے۔ ایک صاحب نے پوچھا: یا رسول اللہ! کیا اپنی ماں سے بھی اجازت لینے کی ضرورت ہے؟ فرمایا: کیا تم انہیں ننگا دیکھنا

پسند کرو گے؟ اس نے کہا نہیں، فرمایا: پھر اجازت لے کر داخل ہو۔ (۴۵)

فرمایا: اگر تم میں سے کسی نے کوئی (بھلا) کام کرنے کی قسم کھائی ہو پھر اس کے اندر اس سے بہتر بھلائی کا جذبہ ابھر آئے تو قسم کا کفارہ ادا کرے مگر کام وہی کرو جو زیادہ اچھا ہو۔ (۴۶)

رسول اللہ ﷺ کی حکیمانہ نظر خلق خدا کی اولیٰ تر بھلائی پر رہی، اس کے لیے صاحب خیر کو قسم کا کفارہ ادا کرنے کی زحمت اٹھانا پڑے تو کوئی حرج نہیں، کام وہ ہو جو بہتر ہو۔

عقل عامہ پر مبنی مشورہ کی ایک اور مثال:

حضرت عائشہؓ نے پوچھا: میرے دو پڑوسی ہیں، ان میں سے صرف ایک کو ہدیہ بھیجنا ہو تو کسے ترجیح دوں؟ فرمایا: جس کا دروازہ تم سے قریب تر ہو اسے بھیجو۔ (۴۷)

ذخیرہ حدیث ایسی مثالوں سے بھرا پڑا ہے جن میں رسول اللہ ﷺ اپنی خداداد سمجھ بوجھ اور فطرت شناسی کی بنیاد پر فیصلہ کرتے یا مشورہ دیتے نظر آتے ہیں۔ ہم مذکورہ بالا چند مثالوں پر اکتفاء کرتے ہوئے یہ گفتگو ذیل کی سبق آموز مثال پر ختم کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ انصار میں سے ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس مانگنے آیا۔ آپؐ نے پوچھا: کیا تمھارے گھر میں کوئی چیز بھی نہیں ہے؟ اس نے کہا ایک بچھونا ہے جس کا کچھ حصہ ہم بچھاتے ہیں اور کچھ اوڑھ لیتے ہیں اور ایک پیالہ ہے جس سے پانی پیتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: دونوں چیزیں میرے پاس لے آؤ۔ دونوں چیزوں کو ہاتھ میں لے کر آپؐ نے اعلان کیا: یہ دو چیزیں کون خریدنا چاہے گا؟ ایک صاحب بولے: میں ایک درہم میں دونوں خریدنے کو تیار ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: کوئی ہے جو ایک درہم سے زیادہ دینے کو تیار ہو؟ آپؐ کے دو تین بار ایسا کرنے کے بعد ایک صاحب بولے: میں دونوں چیزیں دو درہم میں لے لوں گا۔ چنانچہ آپؐ نے دونوں چیزیں ان کو دے دیں اور (ان سے) دو درہم لے کر اس انصاری کو دیئے اور فرمایا: ایک درہم سے کھانے کا سامان لا کر گھر والی کو دے آؤ اور دوسرے درہم سے ایک کلباڑی خرید کر میرے پاس لے آؤ۔ چنانچہ وہ اسے آپؐ کے پاس لائے۔ آپؐ نے اپنے ہاتھ سے اس میں ایک لکڑی کا دستہ لگایا اور اس آدمی سے کہا: جاؤ، اس سے لکڑی کاٹو اور فروخت کرو، پندرہ دنوں تک میرے سامنے نہ آنا۔ چنانچہ وہ آدمی چلا گیا اور لکڑی کاٹا اور فروخت کرتا رہا۔ جب (آپؐ کے پاس) آیا تو دس درہم کمایا تھا۔ ان میں سے کچھ کے کپڑے خریدے اور کچھ سے کھانا خریدا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا: یہ اس سے لہجھا ہے کہ قیامت کے دن تیرے چہرے پر داغ نظر آئیں۔ مانگنا صرف تین کے لیے

مناسب ہے، شدید افلاس (میں مبتلا ہو) یا ناقابل برداشت قرض کا بوجھ ہو یا جس کے ذمہ دیت ادا کرنا واجب ہو اور وہ ایسا کرنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو۔^(۴۸)

نبی اکرم ﷺ کے مقاصد شریعت کے حصول کے لیے عقل و فطرت پر مبنی مذکورہ بالا اقدامات سے سبق حاصل کرتے ہوئے خلفاء راشدین اور دوسرے صحابہ کرامؓ نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا۔ آپ کی وفات کے بعد وحی آنے کا سلسلہ بند ہو گیا۔ اب اللہ کی ہدایت صرف قرآن کے مطالعہ سے حاصل کی جاسکتی تھیں، آسمان سے کوئی نئی ہدایت نہیں آنے والی تھی۔ فیصلہ کرنے والوں کے سامنے ایسی نئی صورت حال بھی آنے لگی جیسی نبی کریم ﷺ کی زندگی میں سامنے نہیں آئی تھی، جس سے نبی کے لیے آپ ﷺ کے کیے ہوئے کسی فیصلہ کا نفاذ کافی نہ تھا بلکہ ایک نیا فیصلہ کرنا ضروری تھا۔ ایسے حالات میں فیصلہ کرنے والوں نے اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق فیصلہ کیا۔ معاملہ اجتماعی امور سے متعلق تھا تو مشاورت بلائی گئی، اختلاف ہوا تو بحث و تمحیص کا طریقہ اختیار کیا گیا۔ جس مسئلہ میں اتفاق رائے ممکن نہ ہو سکا اس میں کثرت رائے سے فیصلہ کیا گیا۔ خلفاء راشدین اور صحابہ کرامؓ کی فکری رسائی پر علامہ ابن قیم نے اپنی مشہور تصنیف مدارج السالکین^(۴۹) میں بڑی اچھی روشنی ڈالی ہے۔ ذیل میں ہم ان کے بعض اقتباسات کے ترجمے درج کریں گے:

عمر ابن الخطابؓ نے ابو موسیٰ اشعریؓ کو جو خط لکھا تھا اس میں آیا ہے: جو معاملات تمہارے سامنے لائے جائیں ان میں سوچ بوجھ سے کام لو۔ فہم بندے پر خدا کی نعمت ہے۔ ایک نور ہے جو خدا بندے کے دل میں ڈال دیتا ہے جس کے ذریعہ اسے ایسی پہچان اور (معاملات کی گہرائی تک) پہنچ حاصل ہو جاتی ہے جو اس کے بغیر نہیں ہو سکتی۔^(۵۰)

آگے چل کر ابن قیم بصیرت کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

بصیرت دل کی زمین میں سچی معاملہ فہمی پیدا کرتی ہے۔ یہ ایک نور کا نام ہے جو اللہ دل میں ڈال دیتا ہے، جس کے ذریعہ حق اور باطل اور سچے اور جھوٹے کے درمیان فرق کیا جاسکے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ۔^(۵۱)

اس واقعہ میں بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو فراست والے ہیں۔

مجاہد نے کہا (متوسمین سے) مراد فراست والے ہیں۔ ترمذی میں ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: فراست مومن سے بچ کر رہو کیوں کہ وہ نور خداوندی کی مدد سے

دیکھتا ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ۔ (۵۲)

ابنِ قَیْم لکھتے ہیں کہ تَوَسِّم سیمہ سے باب تَفَعُّل میں آیا ہے۔ سیمہ کے معنی نشانی کے ہیں۔ صاحبِ فراست کو متَوَسِّم کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ جو کچھ دیکھتا ہے اس پر استدلال کے ذریعہ (نہ دکھائی دینے والے) غائب کی پہچان حاصل کر لیتا ہے۔ یعنی موجود و مشہود سے ایمان (بالغیب) تک پہنچتا ہے۔ (۵۳)

ابنِ قَیْم نے لکھا ہے کہ ابنِ عباسؓ کے نزدیک مذکورہ بالا آیت میں نظر سے کام لینے والوں کا ذکر ہے جب کہ مقاتل نے تَفَعُّل سے کام لینے والوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ابنِ قَیْم کہتے ہیں کہ یہ ساری تعبیریں ایک ہی معنی کی طرف لے جاتی ہیں۔ (۵۴)

ابنِ قَیْم لکھتے ہیں کہ سوجھ بوجھ میں امت میں سب سے اونچا مقام حضرت ابو بکر صدیقؓ کا تھا۔ ان کے بعد حضرت عمر بن الخطابؓ کا نمبر تھا جن کی فراست کے واقعات مشہور ہیں۔ جب بھی انھوں نے کسی بات کے بارے میں کہا: میرا خیال ہے کہ ایسا ہوگا، تو ویسا ہی ہوا۔ ان کی سوجھ بوجھ کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ ان کی رائے کے مطابق وحی نازل ہوئی۔ (۵۵)

ابنِ قَیْم لکھتے ہیں کہ اسی طرح حضرت عثمانؓ کو بھی سچی معاملہ فہمی ملی تھی، انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ میں راستے میں ایک عورت کو دیکھتا تھا جس کے حسن پر نگاہ بٹھہر جاتی تھی۔ عثمانؓ نے مجھے دیکھتے ہی کہا: کبھی تم میں سے کوئی اس حال میں میرے پاس آتا ہے کہ اس کی آنکھوں میں زنا کی جھلک ہوتی ہے۔ میں نے پوچھا: کیا رسول اللہؐ کی وفات کے بعد بھی وحی آنے لگی؟ آپ نے جواب دیا: نہیں تو، بلکہ (یہ ثمرہ ہے) بصیرت، برہان اور سچی فراست (کا)۔ (۵۶)

سیدنا علی ابنِ ابی طالبؓ کی فہم و فراست اور اس پر مبنی فیصلے اور مشورے مشہور ہیں۔ ان کے دانشمندانہ مشوروں کی اہمیت حضرت عمرؓ کے اس بے ساختہ ریمارکس سے ظاہر ہوتی ہے: لو لا علیؓ لہلک عمر! (۵۷) (علی نہ ہوتے تو عمر کا برا حال ہوتا)۔

جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو وہ بولے: وہاں تو ایسے لوگ بھی ہیں جو عمر میں مجھ سے بڑے ہیں، ان کے درمیان آپ مجھے قاضی بنا کر بھیج رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جاؤ، اللہ تمہاری زبان میں قوت دے گا اور تمہارے دل کی رہنمائی کرے گا۔

(یہ روایت میں نے ویب سائٹ www.sunnah.org سے نقل کی ہے۔ حدیث کے انڈکس

کے ذریعہ مطبوعہ مراجع کے حوالے تلاش کیے جاسکتے ہیں)

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو بس ایک ہدایت کی کہ جب بھی کوئی مقدمہ سامنے آئے، صرف ایک فریق کی بات سن کر کبھی فیصلہ نہ کرنا، طرفین کی بات سن کر ہی فیصلہ کرنا۔ (۵۸)

ان مثالوں کے ذریعہ نئے پیش آمدہ مسائل کے سلسلہ میں اسلامی ایپروچ واضح ہے: ہمیں اپنی سمجھ بوجھ سے کام لینا چاہیے، دل کی آواز پر دھیان دینا چاہیے اور اجتماعی امور باہم مشورہ سے طے کرنے چاہئیں۔ مقاصد شریعت کی پہچان اور تطبیق میں قرآن و سنت کے مطالعہ کے ساتھ ساتھ عقل و فطرت سے رہنمائی حاصل کرنا ضروری ہے۔

جیسا کہ اسلامی تاریخ پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں، خلفاء راشدین نے مقاصد شریعت کی خاطر نئے پیش آمدہ مسائل میں بڑے اور نئے فیصلے بھی کیے ہیں۔ اس مختصر تحریر میں ان میں سے بعض کا ذکر تو کیا جاسکتا ہے مگر تفصیل میں جانا ممکن نہیں۔ اکثر اوقات ان صورتوں میں فیصلہ کرنے والے کو فرمودات الہی یا ارشادات نبوی میں کوئی عبارت (text) نہیں ملی جس کی تطبیق سے مسئلہ حل ہو جاتا۔ باضابطہ قیاس بھی ممکن نہ ہوا۔ پیش آمدہ صورت صرف نئی نہیں پیچیدہ بھی ہوتی تھی۔ جتنے ممکن فیصلے ہو سکتے تھے سب کے نتائج بڑے دور رس ہوتے۔ ان نتائج کا اندازہ لگانا اور ان کو نفع، نقصان کی ترازو پر تولنا ضروری ہوتا۔ چونکہ یہ پیش آمدہ نئے مسائل اجتماعی تھے اس لیے مشاورت بھی ہوئی۔ نفع نقصان کے اندازوں میں اختلاف کے علاوہ قرآن و سنت کی تعبیر میں بھی اختلاف ہوا۔ خاص طور پر درج ذیل چار مسائل میں کیے گئے فیصلے تاریخ ساز اہمیت کے حامل رہے جن سے آنے والی نسلوں کو بڑے سبق سیکھنے ہیں:

- ۱۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کا مانعین زکاۃ پر فوج کشی کرنے کا فیصلہ
- ۲۔ حضرت عمرؓ کا شام و عراق کی مفتوحہ زمینوں کو مجاہدین کے درمیان تقسیم نہ کر کے سرکاری تحویل میں رکھنے کا فیصلہ
- ۳۔ حضرت عثمانؓ کا باغیوں کے خلاف طاقت کا استعمال نہ کرنے کا فیصلہ
- ۴۔ حضرت علیؓ کا خوارج سے ایک خاص نہج سے نبٹنا جو اس سے مختلف تھا جو کفار کے سلسلہ میں اختیار کیا جاتا رہا۔

ان چاروں کا مستند تاریخی مراجع کی مدد سے مطالعہ کرنا چاہیے۔ ان کا گہرائی کے ساتھ مطالعہ اسلام کی مزاج شناسی کے لیے ضروری ہے۔ اس مقالہ کے عنوان کی مناسبت سے ہم یہ وضاحت

ضروری سمجھتے ہیں کہ ان چاروں فیصلوں میں خلیفہ وقت اور ان کو مشورہ دینے والے صحابہ کرامؓ کی فہم و فراست، دور بینی اور مقاصد شریعت سے ان کی بے لوث وابستگی (commitment) نے کلیدی کردار ادا کیا۔

خلاصہ کلام

اس بحث سے ہم اس نتیجہ تک پہنچے کہ عقل اور فطرت کو مقاصد شریعت کے پہچاننے اور ان کو حاصل کرنے میں کلیدی کردار ادا کرنا ہے۔ قرآن کریم میں ازالہ ظلم اور قیام عدل نیز زمین سے فساد دور کرنے اور امن و صلاح برپا کرنے جیسے بڑے مقاصد کا ذکر اصولی انداز میں آیا ہے۔ کسی دوسرے زمانہ میں کسی اور جگہ جو صورت حال درپیش ہو اس میں ان مقاصد کے حصول کی مناسب تدابیر ہمیں خود طے کرنا ہوں گی۔ نبی اکرم ﷺ کا اسوہ عقل و فطرت کی روشنی میں کام کرنے کا ہے۔ آپؐ کی وفات کے بعد جو ایسے مسائل سامنے آئے جن میں قرآن و سنت سے براہ راست ہدایت نہ ملتی ہو ان میں فیصلہ کرنے والوں نے خدا داد فہم و فراست سے کام لیتے ہوئے باہم مشوروں کے بعد مناسب فیصلے کیے۔

حواشی

۱۔ مقاصد شریعت، ایک عصری مطالعہ۔ فکر و نظر، اسلام آباد، جلد ۴۱، شمارہ ۴۔ اپریل جون ۲۰۰۴ء اور مقاصد شریعت اور معاصر اسلامی فکر، وقائع اور امکانات، فکر و نظر، اسلام آباد، جلد ۴۳، شمارہ ۲ اکتوبر۔ دسمبر ۲۰۰۵ء۔ دونوں مقالات بحث و نظر، دہلی اور ترجمان دارالعلوم، نئی دہلی میں بھی شائع ہوئے ہیں۔

۲۔ الزخرف: ۲۶، ۲۷

۳۔ الروم: ۳: ۳۰

۴۔ الشمس: ۷، ۸

۵۔ الاعراف: ۱۹۹

۶۔ آل عمران: ۱۱۰

۷۔ الحديد: ۲۵

۸۔ النحل: ۹۰

۹۔ الانعام: ۱۵۲

۱۰۔ المائدہ: ۸

۱۱۔ ص: ۲۱، ۲۴

۱۲۔ النساء: ۱۰

۱۳۔ النساء: ۲۹، ۳۰

۱۴۔ البقرہ: ۲۷۸-۲۷۹

۱۵۔ البقرہ: ۱۱۴

۱۶۔ الحج: ۳۹، ۴۰

۱۷۔ الروم: ۲۸، ۲۹

۱۸۔ الکہف: ۵۷

۱۹۔ یونس: ۱۰۶

۲۰۔ البقرہ: ۱۴۰

۲۱۔ البقرہ: ۲۰۴، ۲۰۵

۲۲۔ القصص: ۴

۲۳۔ الروم: ۴۱

۲۴۔ الشعراء: ۱۵۰-۱۵۲

۲۵۔ الاعراف: ۷۴

۲۶۔ دو سروں پر تسلط جمانے کی خواہش ظلم و فساد کی جڑ ہے۔ ابن تیمیہ لکھتے ہیں: و ذالک انّ ارادة العلو علی الخلق ظلم لانّ الناس من جیش واحد فارادة الانسان ان يكون هو العلی و نظيره تحته ظلم. [بات یہ ہے کہ خلق خدا پر تسلط جمانے کا ارادہ ظلم ہے کیوں کہ سارے انسان ایک ہی ٹھنڈ سے وابستہ ہیں، پس کسی کا یہ چاہنا کہ وہی سب سے اونچا ہو کر رہے اور اسی جیسے دوسرے اس کے ماتحت بن کر رہیں ظلم ہے]۔ ابن تیمیہ: السياسة الشرعیہ، جلد ۱، صفحہ ۳۹-۴۰۔ (باب ثانی- فصل ۸)۔ ہمارے سامنے التراث مرکز ابحاث الحاسب الالٰہی کی تیار کردہ لیزر ڈسک ہے جو ۱۴۲۰ھ-۱۹۹۹ء میں مؤلفات الشیخ و تلمیذہ ابن القیم۔ اصدار ۱۰۵ کے عنوان سے ملتی ہے۔

۲۷۔ الانعام: ۸۲

۲۸۔ ابوالفرج القرطبی: اقضية الرسول ﷺ. حیدرآباد، دائرة المعارف۔ بدون تاریخ

۲۹۔ عبدالحی الکتانی: نظام الحكومة النبویة المسمیٰ بالتراثیب الاداریة. بیروت، دارالکتب العربی۔ بدون تاریخ۔

۳۰۔ صحیح بخاری: کتاب نمبر ۷۲، حدیث نمبر ۴۶۷

۳۱۔ صحیح بخاری: کتاب نمبر ۵۶، حدیث نمبر ۷۸۴، ۷۸۵

۳۲۔ صحیح بخاری: کتاب نمبر ۱۱، حدیث نمبر ۵۰۰

۳۳۔ صحیح بخاری: کتاب نمبر ۳۰، حدیث نمبر ۸۱۳، ۸۱۴، اور ۸۷۶۔ مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو، صحیح مسلم: کتاب

نمبر ۶، حدیث نمبر ۱۱۴۲ اور موطا امام مالک: کتاب نمبر ۳۰، حدیث نمبر ۱۹۸۔

۳۴۔ صحیح مسلم: کتاب نمبر ۴، حدیث نمبر ۱۸۴۰

۳۵۔ صحیح بخاری: کتاب نمبر ۶۹، حدیث نمبر ۵۲۸

۳۶۔ صحیح بخاری: کتاب نمبر ۸۸، حدیث نمبر ۱۹۵

۳۷۔ صحیح بخاری: کتاب نمبر ۶۲، حدیث نمبر ۵

۳۸۔ صحیح بخاری: کتاب نمبر ۴۱، حدیث نمبر ۵۸۲

- ۳۹۔ صحیح بخاری: کتاب نمبر ۳۷، حدیث نمبر ۱۶۶
- ۴۰۔ صحیح بخاری: کتاب نمبر ۷۶، حدیث نمبر ۴۹۷
- ۴۱۔ نوویؒ نے ریاض الصالحین میں اسے متفق علیہ حدیث بتایا ہے۔ ملاحظہ ہو، ریاض الصالحین، ج۲-مکتبۃ الشرق الاسلامی، بدون تاریخ، صفحہ ۴۵۰، حدیث نمبر ۱۰۹۹
- ۴۲۔ ریاض الصالحین، بحوالہ بالا، صفحہ ۲۶۹-۲۷۰، حدیث نمبر ۸۴۸، صحیح مسلم سے نقل کی گئی
- ۴۳۔ ریاض الصالحین، بحوالہ بالا، صفحہ ۱۹، حدیث نمبر ۲۰/۸-متفق علیہ
- ۴۴۔ صحیح بخاری: کتاب نمبر ۷۳، حدیث نمبر ۵۴
- ۴۵۔ موطا امام مالک: کتاب نمبر ۵۴، حدیث نمبر ۱
- ۴۶۔ صحیح بخاری: کتاب نمبر ۸۹، حدیث نمبر ۲۶۰
- ۴۷۔ صحیح بخاری: کتاب نمبر ۷۳، حدیث نمبر ۴۹
- ۴۸۔ سنن ابی داؤد: حدیث نمبر ۱۶۱۴
- ۴۹۔ ہمارے سامنے مدارج السالکین کا وہ نسخہ ہے جو مؤلفات الشیخ وتلمیذہ ابن القیم، اصدار ۱۰۵-۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء کے نام سے لیزر ڈسک پر التراث مرکز ابحاث الحاسب الآلی نے تیار کیا ہے۔ متن میں کتاب کی جلد، صفحات اور فصلوں کے حوالے اس لیے دیے گئے ہیں کہ کاغذ پر مطبوعہ نسخوں سے مراجعت میں آسانی ہو۔
- ۵۰۔ ابن القیم: مدارج السالکین، جلد ۱، صفحہ ۴۱، فصل المرتبۃ الخامس، مرتبۃ الافہام
- ۵۱۔ الحج: ۷۵
- ۵۲۔ ابن القیم: مدارج السالکین، جلد ۱، صفحہ ۱۲۹
- ۵۳۔ ابن القیم، مدارج السالکین، جلد ۱، صفحہ ۱۳۰
- ۵۴۔ ابن القیم: مدارج السالکین، جلد ۲، صفحہ ۴۸۲
- ۵۵۔ ابن القیم: مدارج السالکین، صفحہ ۴۸۵
- ۵۶۔ ابن القیم: مدارج السالکین، جلد ۲، صفحہ ۴۸۶
- ۵۷۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ: خطبات بہاولپور، اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی، ۲۰۰۳ء، صفحہ ۱۰۴، پیراگراف (۱۱۴)
- ۵۸۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ: خطبات بہاولپور، بحوالہ بالا، صفحہ ۲۱۶، پیراگراف نمبر ۲۱۸

© rasailojaraid.com